Negotiations 4:2 (Dec. 2024) pp. 184-200 ISSN: 2789-293X

مولانا جلال الدین رومی کی روحانی حکمت: مثنوی معنوی اور اس کی صوفیانہ تعلیمات کا جائزہ

"The Spiritual Wisdom of Molana Jalal al-Din Rumi: An Exploration of *Masnavi-ye-Ma'navi* and Its Mystical Teachings"

Dr. Mustansar Hussain Jami
Assistant Professor, My University, Islamabad
dr.mustansarhussain@myu.edu.pk
Dr. Mehmood ul Hassan
Assistant Professor, Urdu Department, Numl, Islamabad
mhhassan@numl.edu.pk

KEYWORDS

Molana Jalal al-Din Rumi
Masnavi-ye-ma'navi
Sufism
Persian Literature
Divine Love
Mystical Poetry
Islamic Mysticism

DATES

Received	**09-11-2024**
Accepted	**25-11-2024**
Published	**31-12-2024**

QR CODE

ABSTRACT

This article explores the life and profound intellectual contributions of **Molana Jalal al-Din Rumi**, with a particular emphasis on his magnum opus, *Masnavi-ye-Ma'navi* (The Spiritual Couplets). Born in 1207 in present-day Afghanistan, Rumi emerged as one of the most influential figures in Persian literature and Sufism. *Masnavi*, often referred to as the "Quran in Persian," is a rich, mystical text that delves into themes of divine love, spiritual awakening, and the nature of human existence. Through an analysis of key episodes and verses from the *Masnavi*, the article examines how Rumi uses allegory, parable, and poetry to communicate complex philosophical ideas about the soul's journey toward God. By drawing from both Rumi's biography and the spiritual teachings embedded in his writings, the article offers insights into how his experiences shaped his worldview and literary style. Furthermore, it underscores the lasting impact of *Masnavi* on Islamic mysticism and world literature, illustrating its relevance to contemporary spiritual and philosophical thought. This study highlights Rumi's unique synthesis of Persian literary tradition, Islamic thought, and Sufi mysticism, shedding light on the enduring appeal of his work across cultures and centuries.

DOI:
https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/authorDashboard/submission/117

تلخیص:

اس مضمون میں مولانا جلال الدین رومی کی زندگی اور گہری فکری شراکت کا جائزہ لیا گیا ہے، خاص طور پر ان کی عظیم نظم "مثنوی معنوی" پر خاص زور دیا گیا ہے۔ رومی موجودہ افغانستان میں 1207 میں پیدا ہوئے، وہ فارسی ادب اور تصوف کی اہم شخصیات میں سے ایک ہیں۔ مثنوی محبت الٰہی، روحانی بیداری، اور انسانی وجود کی نوعیت کے موضوعات پر روشنی ڈالتی ہے۔ مثنوی کے اہم شعار کا جائزہ لیا گیا ہے جن میں وہ روح کے سفر کے پیچیدہ فلسفیانہ خیالات کو بیان کرنے کے لیے تمثیل، تمثیل اور شاعری کا استعمال کرتے ہیں۔ رومی کی سوانح حیات اور ان کی تحریروں میں شامل روحانی تعلیمات کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ جس سے عصری روحانی اور فلسفیانہ فکر سے اس کی مطابقت کی وضاحت ہوتی ہے۔ یہ مطالعہ رومی کی فارسی ادبی روایت، اسلامی فکر اور صوفی تصوف کی منفرد ترکیب پر روشنی ڈالتا ہے، جو ثقافتوں اور صدیوں میں ان کے کام کی پائیداری پر روشنی ڈالتا ہے۔

مولانا جالال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت وابتدائی تعلیم:

شہرت دوام حاصل کرنے والے مولانا جالال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تاریخ پیدائش اور ابتدائی تعلیم کے حوالے بہت سی کتب سے مل سکتے ہیں۔ میں یہاں "الفیصل ناشران و تاجران کتب" کی شائع کردہ "مثنوی مولوی معنویؒ" کے مقدمہ جو کہ قاضی سجاد حسین نے تصنیف کیا ہے سے حوالہ نقل کر رہا ہوں:

"مولانائے روم کی ولادت ۶۰۴ھ میں بلخ میں ہوئی تھی۔ تعلیم کے ابتدائی مراحل شیخ بہاؤالدین نے طے کرادئے تھے اور پھر اپنے مرید سید برہان الدین محقق کو جو اپنے زمانے کے بہت برے فاضل علما میں سے تھے مولانا کا معلم اور بنا دیا تھا۔ مولانا نے اکثر علوم و فنون انہی سے حاصل کئے اور اپنے والد کی حیات تک اپنے والد ہی کی خدمت میں حاضر رہے، والد کے انتقال کے بعد ۶۲۹ھ میں شام کا قصد کیا۔ ابتداء حلب کے مدرسہ حلاویہ مُں رہ کر مولانا کمال الدین مصنف تاریخ حلبی سے تلمذ کیا۔"(۱)

کاملین کے گھرانے میں پیدائش اور پرورش کی وجہ سے ابتدا سے ہی علم و حکمت اور دنیاوی و دینی علوم سے خاص لگاؤ پیدا ہو گیا۔ مزید اضافہ اُس وقت کے علما و حکما کی صحبت نے کر دیا۔ آپ کے والدِ گرامی قدر بذات خود بڑے صاحبِ علم و فضل بزرگ تھے اور پورے خراسان میں اُن کا طوطی بولتا تھا۔ اور اُس وقت کے سلطان اور شیخ آپ کی محفلوں کا حصہ ہوا کرتے تھے۔

مولانا جالال الدین رومی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کا نام و نسب:

مولانا جالال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ابتدائی حالات بہت سے اہل علم نے قلمبند کیے ہیں۔ میں یہاں پر مولانا شبلی نعمانی کی تصنیف "سوانح مولانا روم" سے اقتباس نقل کر رہا ہوں:

"محمد نام، جلال الدین لقب، عرف مولانائے روم، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں تھے، جوہر مضیئہ میں سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے، محمد بن محمد بن محمد بن حسین بن احمد بن قاسم بن مسیب بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس روایت کی رو سے حسین بلخی مولانا کے پر دادا ہوتے ہیں۔ لیکن سپہ سالار نے ان کو دادا لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔"(۲)

حسین بہت بڑے صوفی اور صاحبِ حال تھے اور اُس وقت کے سلاطین اُن عزت اس قدر کرتے تھے کہ "محمد خوارزم شاہ" نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر دی جن سے ان کے بیٹے "بہاالدین" یعنی مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ والد گرامی پیدا ہوئے۔ اس رشتے سے سلطان محمد خوارزم شاہ، مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نانا ہوئے۔ جبکہ آپ کی والدہ کا سلسلہ نسب مشہور بزرگ سلطان ابراہیم ادہم سے ملتا تھا۔

مولانا جلال الدین رومی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کے خاندان کی بلخ سے ہجرت:

مولانا کے والد شیخ بہاؤالدین کی مقبولیتِ عام سے اُس وقت کے علماء بے حد خوف زدہ تھے۔ ایک روز جب علاء الدین محمد خوارزم شاہ آپ کی محفل میں آیا تو مریدین عقیدت مندوں کا ہجوم دیکھ کی متعجب ہوا، مصاحبین کو موقع مل گیا اور اُنہوں نے بادشاہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ یہ آپ کی حکومت کے لیے خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس پر بادشاہ نے محل کی کُنجیاں آپ کو بھیجیں اور کہا کہ اصل بادشاہ تو آپ ہیں۔ آپ صاحبِ حکمت تھے بادشاہ کے پیغام کو سمجھ گئے اور اپنے اہل و عیال اور خاص خاص مریدین کے ساتھ بلخ سے ہجرت کر گئے، کچھ مصنفین نے اس ہجرت کی وجہ تاتاریوں کے حملوں کو بھی قرار دیا ہے۔ جس پر اُن کے مرشد شیخ نجم الدین کبریٰ نے اُنہیں بلخ چھوڑنے کی ہدایت کی۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابھی چھ برس کے تھے جب ہفتے کے روز اواخر ۶۱۰ھ یا اوائل ۶۱۱ھ میں آپ کے والد گرامی نے بلخ کو خیر باد کہا اور نیشاپور تشریف لے گئے۔ یہاں پہنچ کر آپ کی ملاقات شیخ فرید الدین عطار سے ہوئی۔ شیخ نے آپ کو اپنی کتاب "اسرار نامہ" دی جو آپ نے دمِ آخر تک اپنے ساتھ رکھی۔ نیشاپور سے آپ کا قافلہ بغداد پہنچا کچھ دن یہاں قیام کے بعد آپ کے والد گرامی نے حج کرنے کے لیے رخت سفر باندھا۔ حج کر لینے کے بعد آپ دمشق آئے اور وہاں سے ملاطیہ اور اذربائیجان کے شہر آق میں چار سال قیام کیا اس کے بعد لارندہ چلے گئے یہاں قافلہ کا پڑاؤ تقریباً سات سال رہا۔

مولانا جلال الدین رومی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی شادی اور اولاد:

ان تمام اسفار کے آخر تک مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تقریباً اٹھارہ برس کے ہو چکے تھے ۶۲۱ یا ۶۲۲ میں سمرقند کے ایک شریف و باعزت اور دولت مند مہاجر خواجہ شرف الدین سمرقندی کی صاحبزادی گوہر خاتون سے آپ کو نکاح ہوا اور سمرقند میں ہی آپ کے پہلے صاحبزادے سلطان ولد کی ولادت ہوئی اور پھر دوسرے فرزند علاء الدین بھی سمرقند میں ہی پیدا ہوئے۔ مولانا کی

دوسری بیوی کرا خاتون تھیں جن کے بطن سے تیسرے فرزند مظفر الدین امیر عالم اور ایک صاحب زادی ملکہ خاتون عرف خندولہ تھیں۔ ۶۲۶ھ میں آپ کے والد بہاالدین قونیہ پہنچے اور اسی کو اپنا مسکن بنایا۔ قونیہ پہنچنے کے تقریباً دو سال کے بعد بروز جمعہ ۱۸ ربیع الثانی ۶۲۸ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ مولانا جالِ الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تقریباً پندرہ سال اپنے والد گرامی قدر کے ساتھ محو سفر رہے۔ اس سفر کے دوران آپ نے اپنے والد سے باطنی و ظاہری علوم کو سیکھا۔

مولانا جالِ الدین رومی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی جانشینی، بیعت:

مولانا جالِ الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ والد کی وفات کے بعد مریدین اور بادشاہ کے اصرار پر آپ نے ۲۴ سال کی عمر میں سلطان العلما کی جانشینی کی مسند پر بیٹھے لیکن یہ سلسلہ آپ کے اسفار اور مصروفیات کی بنا پر اکثر تعطل کا شکار رہتا۔ آپ کے والد گرامی قدر جناب بہاالدین سلطان العلما کے مرید خاص جناب محقق ترمذی کو جب خط لکھ کر قونیہ آنے کی دعوت دی تو وہ فوراً تشریف لے آئے آپ نے ان کی شاگردی اختیار کی اُن کا کہنا تھا کہ تم "قال میں تو اپنے والد سے بڑھ گئے ہو لیکن ایک اُن کا حال بھی تھا جب تک اس کو حاصل نہیں کرو گے تب تک اپنے والد کے صحیح اور مکمل وارث نہیں بن سکتے" اسی حال کی تکمیل کے لیے مولانا جالِ الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نو سال تک آپ سے باطنی فیض حاصل کیا محقق ترمذی کی وفات (۶۳۷ھ) کے بعد مولانا جالِ الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مستقل طور پر قونیہ ہی کے ہو رہے۔ اور پھر یہیں سے درس و ارشادات کا سلسلہ جاری رکھا۔

مولانا جالِ الدین رومی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کا حصول علم کی خاطر سفر اور فتویٰ نویسی:

حصول علم کی خاطر مولانا جالِ الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شام کا سفر کیا اور حلب تشریف لے گئے وہاں مدرسہ حلاویہ میں قیام کیا اور مختلف مدارس میں کئی علما اور اساتذہ سے ملاقاتیں کیئں۔ کمال الدین ابنِ عدیم سے خاص طور پر فائدہ اُٹھایا۔ ان کے علاوہ دمشق میں آپ کی ملاقات اُس وقت کی معروف ہستیوں سے ہوئی ان میں (شیخ اکبر محی الدین، ابن عربی، شیخ سعد الدین حموی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ صدر الدین قونوی) شامل ہیں بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ دمشق میں ہی آپ کی ملاقات شمس الدین تبریزی سے ہوئی۔ دمشق سے واپسی ہوئی اور مستقل طور پر قونیہ ہی میں مقیم ہوئے۔

مولانا جالِ الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تمام علوم فنون پر عبور حاصل تھا۔ وعظ و تذکیر کی محافل سجا کرتیں۔ آپ ہمیشہ باشریعت زندگی گزارنے کے قائل تھے۔ وعظ کا انداز یہ تھا کہ قاری قرآن کی کوئی بھی آیت پڑھتا اور آپ اُس کی شرح بیان کرتے اسی ضمن میں ترغیب اور تذکیر کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ فتویٰ لکھنے کا باقاعدہ آپ کو ایک درہم روزینہ ملتا تھا۔ کوئی بھی ف فتویٰ آتا تو فوراً آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔ شمس تبریزؒ کے ملنے سے پہلے آپ کی ظاہری شکل و صورت اور عادات و اعمال کے بارے مولانا عبد السلام خاں اپنی تصنیف "افکارِ رومیؒ" میں لکھتے ہیں:

> "آپ کی زندگی خالص عالمانہ رہی، سر پر عمامہ باندھتے تھے اور علماء کے انداز پر کشادہ آستینوں کی عبا پہنتے تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، مطالعہ کتب کے ساتھ درس، افتا، وعظ، تلقین و تربیت مولانا کی زندگی تھی۔ قوالی و سماع سے بچتے تھے، شعر و شاعری سے تعلق نہ تھا۔ ہر عمل سے عالمانہ وقار اور ہر کام میں مشیخت کی شان نمایاں تھی "(۳)

مولانا جلال الدین رومی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ اور شمس تبریز رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ:

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی دو حصوں پر مشتمل ہے پہلا حصہ حصول علم (ظاہر و باطنی) و حکمت اور دوسرا حصہ شمس تبریز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ملاقات کے بعد کا ہے جو کہ پہلے حصے سے بہت مختلف بلکہ بر عکس ہے۔ شمس تبریز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملنے کے بعد آپ کی زندگی میں اس قدر تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اور اسی ضمن میں بہت سے قصے بھی آپ دونوں سے منصوب ہونے لگے لیکن مشہور اور مستند حقایق میں سے چند یہاں بیان کئے جا رہے ہیں تا کہ ہم اس تعلق اور اس کے اثرات کا باخوبی اندازہ لگا سکیں۔ سب سے پہلے میں یہاں قاضی سجاد حسین کی ترجمہ شدہ کتاب "مثنوی مولوی معنوی" سے نقل کر رہا ہوں:

> "مولانا ایک روز اپنے شاگردوں کے حلقہ میں رونق افرز تھے، چاروں طرف کتابوں کے ڈھیر تھے کہ اچانک شمس تبریز قلندرانہ انداز سے آ پہنچے اور کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے، مولانا نے فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے جس سے تم واقف نہیں ہو مولانا کا یہ فرمانا تھا کہ اچانک کتابوں میں آگ لگ گئی۔ مولانا نے شمس تبریز سے کہا کہ یہ کیا ہے تو اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ چیز ہے جس سے تم واقف نہیں ہو۔ "(۴)

اس واقعہ کے بعد مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حالت دگر گوں ہو گئی اور بے قراری میں آکر جگہ جگہ شمس تبریز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تلاش کرتے پھرے لیکن اُن کا کچھ پتا نہ چلا۔ ان کی اس حالت سے اُن کے مریدین بہت پریشان ہوئے اور شمس تبریز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خوب بُرا بھلا کہا۔ کچھ روایات میں یہ بھی درج ہے کہ شمس تبریز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیر و مرشد کمال الدین جندی نے انہیں خاص اسی کام کے لیے قونیہ بھیجا کہ جاؤ اور محمد جلال الدین کو علم حقیقی سے روشناس کرواور اُسے سوختہ دل کو گرما آؤ۔ اس سلسلے میں ایک اور واقعہ بھی ہر خاص و عام نے سن رکھا ہے، یہ واقعہ بھی میں اُسی کتاب سے نقل کر رہا ہوں:

> "شمس تبریز رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ قونیہ پہنچے، شکر فروشوں کی سرائے میں مقیم ہوئے اور ایک دن جبکہ مولانا نہایت تزک و احتشام سے ایک راستے سے گزر رہے تھے۔ شمس تبریز نے مولانا سے سرِ راہ دریافت کیا کہ مجاہدہ اور ریاضت کا کی امقصد ہے؟ مولانا نے فرمایا اتباع شریعت، شمس تبریز نے کہا یہ تو سب ہی جانتے ہیں لیکن اصل مقصد علم و مجاہدے کا یہ ہے کہ وہ انسان کو منزل تک پہنچا دے اور پھر حکیم سنائی ک ایہ شعر پڑھا۔
>
> علم کز تو ترا نہ بستاند   جہل زاں علم بہ بود بسیار

جو علم تجھے تجھ سے نہ لے لے　　　اُس علم سے جہل بہت بہتر ہے

ان جملوں سے مولانا اس قدر مطاثر ہوئے کہ فوراً شمس تبریز کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے۔"(۵)

اسی طرح اور بھی بہت سے قصے آپ سے منسوب ہوئے۔ ایک جگہ یہ لکھا ملتا ہے کہ آپ کسی حوض کے کنارے کُتب بینی کر رہے تھے کہ شمس تبریز کا وہاں سے گز ہوا آپ نے پوچھا کہ یہ کتابیں ہیں؟ آپ نے کہا تمھیں ان کی سمجھ نہیں آئے گی اس پر شمس تبریز نے وہ کتابیں اُٹھا کر حوض میں پھینک دیں۔ مولانا روم بے حد پریشان ہوئے کہ یہ علمی خزانہ اب دوبارہ نہیں مل سکتا اسی دوران شمس تبریز نے وہ کتابیں پانی میں سے بالکل خشک حالت میں باہر نکال دیں یہ دیکھ کر مولانا سے شمس تبریز کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے اور اپنا طریق زندگی بدل دیا۔ جس کی وجہ سے اُن کے بیٹے نے شمس تبریز کو قتل کر دیا۔ بعض مصنفین کا یہ بھی کہنا ہے کہ اُنہیں قتل نہیں کیا گیا بلکہ وہ خود قونیہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اور بعد میں اُن کا کچھ پتا نہ چلا۔ شمس تبریزؒ کی جدائی میں مولانا نے اشعار کہنے شروع کر دیئے اور سماع کی محافل میں جانا شروع کر دیا، اس بعد ایک دن بازار میں سے گزر رہے تھے کہ شیخ صلاح الدین چاندی کے ورق کوٹ رہے تھے۔ آپ نے کوٹنے کی آواز سنی تو اس آواز میں ایسے محو ہوئے کہ اچانک مست ہو گئے آپ کی حالت دیکھ کر شیخ صلاح الدین بھی آپ کے ساتھ ہو لئے اس واقع کے بعد شیخ صلا الدین سے آپ کا ایسا تعلق قائم ہوا کہ لوگوں کو پھر اعتراض ہونے لگا کہ آپ فقہ کا کام چھوڑ کر کس ان پڑھ کے ساتھ پھرتے ہیں۔ لیکن بعد جب لوگوں کی فصلوں کو نقصان ہونے لگا تو وہ آپ سے معافی مانگنے آئے اور آپ نے معاف کر دیا شیخ صلا الدین نے بقیہ ساری زندگی آپ کی خدمت میں گزاری آپ کے انتقال کے بعد شیخ حسام الدین کی صحبت آپ کو ملی اور یہ بنیاد بنے اس مثنوی کے لکھنے کے لیے۔ آپ نے لوگوں کو تلقین کی کہ شیخ حسام الدین میرے نائب اور خلیفہ ہیں۔ لوگوں نے بغیر کسی اعتراض کے اُن کی اتباع کی۔ مولانا کا زیادہ تر وقت سماع، عبادت اور ریاضت میں گزرنے لگا نجی صحبتوں کا حصہ بنے لیکن پہلے کی طرح واعظ و تذکیز کا سلسلہ شمس تبریز کے بعد ختم کر دیا۔

مولانا جال الدین رومی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ علالت، وفات اور تدفین:

مولانا محسوس کر چکے کہ زندگی کے دن اب کم ہیں تو آپ اکثر اس بات کا بیان کرتے رہتے تا کہ لوگوں کو اچانک صدمہ نہ پہنچے اور جتنا ہو سکے اُن سے فیوض حاصل کر لیں۔ جب حالت بہت بگڑی تو مشہور حکماء اور طبیبوں نے بہت دوا کی لیکن کوئی صورت طبیعت کی بہتری نہ نکلی امر اعلاء، مخلصین و معتقدین مسلسل عیادت کے لیے آرہے تھے۔ ایک روز شیخ صدرالدین قونوی مزاج پُرسی کو آئے مولانا کے لئے شفا کی دعا کرنے لگے تو مولانا فرمایا محب اور محبوب کے درمیان ایک بال برابر فرق رہ گیا تم نہیں گوارا کرتے کہ یہ بھی اُٹھ جائے اور نور نور میں مل جائے۔ ۶۷۲ھ پانچ جمادی الثانی کو مغرب کے وقت اس دارِ فانی کو الوداع کہا۔ رات کو تکفین کا عمل مکمل ہوا صبح لوگوں کے ہجوم میں جنازہ لے کر نکلے ہر مذہب اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے آپ کے جنازے میں شامل ہوئے جنازے کے ساتھ ساتھ حفاظِ کرام قرآن کی تلاوت کرتے جاتے تھے۔ حسبِ وصیت شیخ صدالدین کو جنازہ پڑھانے کے لیے کہا گیا لیکن وہ شدت غم سے بہوش ہو گئے اور بعد قاضی سراج الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا جلال الدین رومی رَحمۃُ اللہِ تعالٰی عَلَیہ کی آخری وصیت:

میں تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ سے ظاہر و باطن میں ڈرتے رہنے کی، کم خوری، کم خوابی اور کم گوئی کی۔ نافرمانیوں اور گناہوں کے ترک کی، برابر روزے رکھتے رہنے کی بتواتر نماز پڑھتے رہنے کی، نفسانی کو خواہشوں سے ہمیشہ باز رہنے کی، سب کی سختیاں سہتے رہنے کی، بے شعوروں اور عوام کے ساتھ نشست و برخاست سے بچتے رہنے کی، نیک کردار بزرگوں کی صحبت اختیار کرنے کے، سب سے بہتر شخص وہی ہے جو لوگوں کے لیے مفید ہو اور سب سے اچھی بات وہی ہے جو مختصر اور مکمل ہو حمد صرف اللہ کے لیے ہی سزادار ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رَحمۃُ اللہِ تعالٰی عَلَیہ کی تصانیف:

فیہ مافیہ: یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مولانا نے وقتاً فوقتاً معین الدین پریانہ کے نام لکھے۔

دیوان: اس میں قریباً پچاس ہزار اشعار ہیں۔ اس دیوان کی غزلیات کے مقطع میں شمس تبریز کا نام لکھا ہوا ہے اور اس دیوان کے سرِ ورق پر بھی شمس تبریز کا نام لکھا گیا ہے جو کہ بہت بڑی غلطی ہے۔

مثنوی معنوی: مولانا کی یہ وہ تصنیف جس نے مولانا کو عالمِ رنگ و بو میں ممتاز کیا اور نا معلوم کب تک مولانا کا نام زندہ و تابندہ رہے گا۔ مثنوی کے کل اشعار ۲۶۶۶ ہیں۔ یہ چھ دفتروں پر مشتمل ہے۔ ساتواں دفتر بھی مولانا نے لکھنا شروع کیا تھا جس کے چند اشعار ملے ہیں۔ لیکن بہت سے نقاد اس نسخہ کو مثنوی کا حصہ نہیں مانتے۔

فارسی شاعری ایک نظر میں:

فارسی شاعری سلاطین کے ادوار سے قصائد کی صورت میں شروع ہوتی ہے۔ سلاطین ان قصائد کو اپنی مدح و ثنا کے لیے شعرا سے سنا کرتے، قصائد کا رواج عربی سے فارسی میں منتقل ہوا۔ ان سلاطین میں خاص طور پر سامان اور سلطان محمود کو یہ ذوق تھا کہ اُن کے آبا و اجداد کے کارنامے نظم کیے جائیں تا کہ زبانِ زدِ عام ہو سکیں۔ اسی مداح و ثنا کی وجہ سے مثنوی ایجاد ہوئی اور ادب کی ایک مستقل صنف بن کر سامنے آئی جو آج تک رائج ہے۔

مثنوی تو بہت لکھی جا رہی تھی لیکن لفظی کارہ گری اور واقعہ نگاری کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ تاہم جب حضرت ابو سعید ابوالخیر نے رباعی کہی جس میں پہلی بار تصوف اور طریقت کے خیالات ادا کئے گئے۔ حکیم سنائیؔ نے "حدیقہ" لکھ کر نظمیہ تاریخ میں تصوف پر پہلی تصنیف بنی۔ اس کے بعد خواجہ فرید الدین عطار نے کئی مثنویاں تصوف کے رنگ میں لکھیں۔ جن میں سے مشہور "منطق الطیر" ہے۔ فارسی شاعری میں چار کُتب کو جو پزیرائی اور شہرت دوام حاصل ہوئی وہ اور کسی کے حصے میں نہ آ سکی ان میں "شاہ نامہ فردوسی"، "گلستانِ سعدی"، "دیوانِ حافظ"، "مثنوی مولانا روم" شامل ہیں۔

"مثنوی معنوی" کا عمومی جائزہ:

مثنوی مولانا روم ایک ایسی تصنیف جس کے ہزار ہا شرحیں لکھی گئی اور لکھی جاتی رہیں گی۔ دنیا کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ اس سلسلہ میں مولانا کی سوانح اور مثنوی پر بہت سی کتب تصنیف کی گئی ہیں جن میں چند کا ذکر کرنا تحریر میں اضافہ نہ ہو گا بلکہ معلومات میں اضافے کا باعث بنے گا۔ یہاں جناب قاضی سجاد حسین کی ترجمہ شدہ تصنیف کے مقدمے سے ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں آپ لکھتے ہیں:

> "اس مثنوی کی بڑی بڑی ضخیم شرحیں لکھی گئیں "کشف المطون" میں جن کا ذکر ہے۔ اُن کے علاوہ مولانا شب،ی نے اپنی کتاب سوانح مولانا روم میں محمد افصل الہ آبادی، ولی محمد، مولانا عبد العلی بحر العلوم اور محمد رضا کی شرحوں کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ ۱۳۴۴ء میں مرزا محمد نذیر صاحب عرشی نے مفتاح العلوم کے نام سے ایک ضخیم شرح سترہ جلدوں میں کی شرح بصورت حواشی شائع ہوئی اور کلید مثنوی کے نام سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کئی دفتروں کی شرح شائع ہو چکی ہے، نیز مراۃ المثنوی از جناب تلمذ حسین صاحب اور تشبیہات رومی اور حکمتِ رومی از ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم بھی قابل قدر کتابیں شائع ہوئی ہیں۔"(۶)

مثنوی مولانا روم کو معنوی بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں عالم معنیٰ اور احوالِ باطن کا مذکور ہے۔ مولانا روم نے اس مثنوی کے چھ دفتر لکھے اور آخر پر درج ذیل اشعار پر اختتام کیا اور کہا کہ اگر کوئی اہلِ نور ہو گا تو باقی کا دفتر خود اُس کی سمجھ میں آجائے گا۔ اس سلسلے میں بہت سے اہلِ علم نے کوشش کی۔

باقی ایں گفتہ آید بے زباں　　　　در دل ہر کس کہ دارد نورِ جہاں

مثنوی لکھنے کی سب سے بڑی وجہ جو مولانا بھی کئی مقامات پر بیان کرتے ہیں وہ حسام الدین تھے جنہوں نے مولانا کو "حکیم سنائی" کے "الٰہی نامہ"، "مصیبت نامہ" اور شیخ عطار کی "منطق الطیر" کی طرز پر مثنوی لکھنے کی درخواست کی۔ اس کی دلیل میں چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

دوسرے دفتر کے آغاز میں کچھ تاخیر ہوئی جس کی وجہ حسام الدین چلپی کی زوجہ کا انتقال بنا۔ اور جب انہوں نے دوبارہ مولانا سے درخواست کی کہ آپ لکھنا شروع کیجئے تو مولانا روم نے ابتدا میں یہ اشعار درج کئے۔

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد　　　　مہلتے بایست تاخوں شیر شد

چوں ضیاالحق حسام الدین عناں　　　　باز گردانید زاوجِ آسماں

چوں بمعراج حقائق رفتہ بود

بے بہارش غنچہ ہانشگفتہ بود

ایک مدت تک مثنوی لکھنے میں تاخیر ہو گئی، کچھ وقت چاہیے تا کہ خون سے دودھ بنے، جب ضیا الحق حسام الدین نے آسمان کی بلندی سے باگ موڑی، چونکہ وہ حقایق کی معراج میں گئے ہوئے تھے، اُن کی بہار کے بغیر گنجینہ نہ کھلا تھا اسی طرح تیسرے دفتر کے آغاز میں لکھتے ہیں:

اے ضیاء الحق حسام الدیں بیار　　ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار

اے ضیاء الحق حسام الدین تیسرا دفتر لا، کیونکہ تین مرتبہ وضو میں اعضا دھونا سنت ہے۔

چوتھے دفتر کی ابتدا میں فرماتے ہیں۔

اے ضیاء الحق حسام الدیں توئی　　کہ گذشت از مہ بنورت مثنوی

اے ضیاء الحق حسام الدین چلپی تو ہی ہے، جسکے نور کی وجہ سے مثنوی چاند بن گئی ہے۔

پانچویں دفتر کی شروعات ان اشعار سے کرتے ہیں۔

شہ حسام الدیں کہ نور انجم است　　طالب آغاز سفر پنجم است

حسام الدین جو ستاروں کا نور ہیں۔ پانچویں کتاب کی ابتدا کے طالب ہیں

چھٹے دفتر کا آغاز بھی پہلے پانچ دفتروں کی طرح حسام الدین چلپی کے ذکر سے کرتے ہیں۔

اے حیاتِ دل حسام الدین بسے　　میل میجوشد بقسمِ سادسی

اے دل کی زندگی حسام الدین، چھٹی قسم کی طرف دل کا بہت میلان ہو گیا ہے

ساتواں دفتر بھی مولانا روم نے تحریر کیا جس کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات تھے لیکن اب جدید تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ دفتر بھی مولانا کا ہی لکھا ہوا ہے اور اس کی ابتدا میں وہ لکھتے ہیں:

اے ضیاء الحق حسام الدیں فرید　　دولتت پابندہ فقرت بر مزید

چونکہ از چرخ ششم کردی گذر　　بر تر از چرخِ ہفتم کُن سفر

اے یکتا ضیاء الحق حسام الدین، تیری دولت ہمیشہ رہے تیرے فقر میں اضافہ ہو، جبکہ تو چھٹے آسمان سے آگے بڑھ گیا ہے۔ ساتویں آسمان کی بلندی کا سفر کر۔

مثنوی کے بارے مولانا کا بیان "انوالعلوم" میں "محمد عالم امیری" نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں

> "مولانا فرماتے ہیں کہ مثنوی کو پڑھنے والا انسان اگر فقر کے کمال کو نہ بھی پہنچے پھر بھی شیطان کے ہتھ کنڈوں سے ضرور محفوظ ہو جاتا ہے۔"(۷)

مثنوی کے مشہور ہونے کی ایک بڑی وجہ اس میں اسرار و رموز اور حکایات کا ذخیرہ ہونا ہے اور دنیا رنگ و بو کے دقیق اور ناسمجھ مسائل کو سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن مثنوی اس قدر آسان بھی نہیں کہ ہر شخص اس میں سے معنی اخذ کر سکے۔ اس

کی مقبولیت کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ خواص کی توجہ کی مرکز نظر بنی اور پھر اُن کی تقلید کرنے والوں نے اسے دنیا کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔

"مثنوی معنوی" کا خصوصی جائزہ:

مثنوی مولویؒ معنوی

ہست قرآں دَر زبانِ پہلوی

(جامیؔ)

مثنوی سے پہلے لکھے جانے والی تصانیف جن میں "منطق الطیر" اور "بوستان"، "حدیقہ" قابلِ ذکر ہیں ان کا انداز یہ تھا کہ پہلے اخلاق و تصوف کے مختلف عنوان قائم کئے جاتے اور پھر اُن کو سمجھانے کے لئے حکایات پیش کی جاتی تھی ان عنوانات میں سے، نفس، صبر و شکر، عقل و عمل وغیرہ ہیں۔ جبکہ مثنوی کا انداز ان سے مختلف ہے، مثنوی مولانا روم میں کسی خاص ترتیب یا ابواب کا تسلسل نہیں لوگوں نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا جیسے کسی شاعر کا دیوان ہو اور قصوں پر مشتمل کوئی نظم۔ لوگوں کے اس اعتراض کو مولانا اُنہیں کی زباں میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

کیں سخن پست ست یعنی مثنوی　　قصہ پیغمبر است و پیروی
نیست ذکر و بحث اسرار بلند　　کہ دوانند اولیاز اں سو کند

(مثنوی کا یہ طریقہ ہونا چاہیے تھا کہ فقر اور سلوک کے جو مقامات ہیں پیچھے رہ جانا اور فنا سے لے کر وصل تک سب بہ تفصیل اور بہ ترتیب الگ الگ بیان کئے جاتے، جبکہ مولانا نے طفلانہ قصے بھر دیئے ہیں)

مولانا ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ "لوگوں نے تو قرآن مجید پر بھی اعتراض کیے تھے"۔

چوں کتاب اللہ بیاند ہم بر آں　　ایں چنیں طعنہ زوند آں کافراں
کہ اساطیر ست و افسانہ نژند　　نیست تعمیقے و تحقیقے بلند

(قرآن اللہ کی کتاب ہے اس پر کفار نے اعتراض کیے کہ اس میں تو قصے ہیں کہانیاں ہیں۔ اور اُنہوں نے ان قصوں کو مذاق سمجھا)۔

مثنوی میں مولانا نے قصوں اور حکایتوں سے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے تاکہ مثنوی کا پڑھنا طبیعتوں پر بوجھ نہ لگے۔ قرآن و حدیث کے مشکل مسائل کو آسان حکایات کی مدد سے بیان کیا گیا ہے۔

وَحدت الوجود کا بیان:

ظاہر سے تعلق رکھنے والے ہر مسلمان کے لیے "لا الہ الا اللہ" کے معنی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور صرف وہ عبادت کے لائق ہے۔ جبکہ صوفیا کے نزدیک "لا الہ الا اللہ" کا مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کچھ موجود ہی نہیں یعنی دنیا میں جو ظاہر نظر ارہا ہے سب خدا کی ہی مختلف شکلیں ہیں بس ایک پردہ ہے جس کی وجہ سے ہمیں اصل نظر نہیں آتا۔ اس پردے کے ساتھ ذاتِ باری تعالیٰ کے اپنے احکامات ہیں جو ہر چیز کے لیے مختلف ہیں یعنی مومن و کافر کے لیے الگ احکامات ہیں اور "وجود و امکان" کے لیے احکامات الگ ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد　　　　گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

وجود کے ہر مرتبہ کا ایک حکم ہے اور اگر تو نے ان مراتب کا فرق نہ کیا تو زندیق (بے دین، ملحد) ہو جائے گا۔

یہاں ایک حوالہ دے رہا ہوں تاکہ اپنی کہی بات کو مزید مضبوط کر سکوں اور قاری کو پڑھنے میں آسانی ہو۔ قاضی سجاد حسین اپنی ترجمہ شدہ تصنیف میں "قاضی ثناءاللہ صاحب کا حوالہ نقل کرتے ہوئے وحدت الوجود کے بیان کی وضاحت کرتے ہیں:

> "قاضی ثناءاللہ صاحب پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا۔ صوفیا کے نزدیک وجود سے مراد مصدری معنی نہیں ہیں کیونکہ وہ خارج میں موجود نہیں ہیں۔ معقولاتِ ثانیہ میں سے ہیں جس کا وجود صرف ذہن میں ہوتا ہے۔ بلکہ وجود سے اپن کی مراد مابہ الموجودیت ہے۔ حضرتِ حق جلَّ مجدہ اپنے وجود اور ممکنات کے وجود میں غیر کا محتاج نہیں ہے۔ اُس کی ذات ہی خود اُس کے وجود کی مُقتضی ہے۔ اور اسی طرح ممکنات کے وجود کی بھی اُس کی ذات ہی مقتضی ہے، ممکنات کا مابہ الموجودیت کیا ہے ؟ اُن کے وجود سے ارادۃ الٰہی کا تعلق ہے اور یہ ارادہ اللہ کی صفت ذاتی ہے۔ جس کا مقتضٰی صرف اُس کی ذات ہے لہٰذا ممکنات کا مابہاالموجودیت ذاتِ حق کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔"(۸)

مولانا اس ضمن میں فرماتے ہیں:

"گفتم از وحدت و کثرت سخنے گوئی بہ رمز　　　　گفت موج و کف و گرداب ہمانا دریاست

میں نے کہا وحدت اور کثرت کی بات اشارہ میں کہدے اُس نے کہا موجیں اور جھاگ اور بھنور دریا ہی ہیں"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

جملہ معشوق است و عاشق پردہ

سب کچھ معشوق ہی ہے، عاشق ایک پردہ ہے۔

"گر ہزاراں اندیک کس بیش نیست　　　　جز خیالاتِ عدد اندیش نیست

بحر وحدانیست جُفت و زوج نیست　　　　گوہر و ماہیتش غیر موج نیست

نیست اندر بحر شرکِ پیچ پیچ　　　　لیک باحول چہ گویم ہیچ ہیچ

اگر ہزاروں بھی ہیں ایک کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ کثرت اور تعداد محض خیالی ہے۔ صرف واحدنیت ک اسمندر رہے جُفت اور جوڑا کچھ نہیں۔ اس کی حقیقت اور ماہیت موجوں سے جدا نہیں ہے، سمندر مُس کسی چیز کی شرکت نہیں ہے۔ لیکن بھینگے سے میں کیا کروں۔"

وَحدت الشہود کا بیان:

کائنات کا وجود اور مختلف صفات اور آثار کا ظہور واحد مطلق کی ذات وصفات کا سایہ وعکس ہے جو عدم میں منعکس ہو رہا ہے۔ اور یہ سایہ وعکس واحد مطلق کا عین نہیں ہے بلکہ محض ایک مثال ہے۔ مولانا کے اشعار پڑھنے والوں کو مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔ لیکن ایک اشارہ جو وضاحت کرتا ہے کہ وحدت الوجود کے پیرو "جبر واختیار" میں سے جبر کے قائل ہوتے ہیں۔ لیکن مولانا جال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اختیار کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں۔

"سعی، شکرِ نعمتِ قدرت بُود　　　جبرِ تو انکار آں عمت بُود
شُکرِ نعمت نعمتت افزوں کند　　　کفرِ نعمت از کفت بیروں کند"

کوشش قدرت کی نعمت کا شکر یہ ہے، جبر اپس نعمت کا کفر ہے، نعمت کا شُکر نعمت کو بڑھاتا ہے، کفر نعمت سے محروم کر دیتا ہے۔

الٰہیات کو بیان:

ذاتِ باری تعالیٰ کے ہونے کے بہت سے آثار ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ آثار سے موثر پر استدلال کیا جاتا ہے اور یہی طریقہ سب زیادہ عام فہم ہے۔ اس میں صاف ظاہر ہے کہ عالم ایک عظیم الشان کائنات ہے۔ جس کے اجزائے ترکیبی یا پرزے رات دن حرکت میں ہیں۔ جیسے ستارے چمک رہے ہیں، سمندر لہریں اُٹھا رہے ہیں، ہوائیں چل رہی ہیں، زمین نباتات اُگا رہی ہے، درخت جھوم رہے ہیں یہ تمام مناظر دیکھ کر یہ خیال دماغ میں ثبت ہو جاتا ہے کہ کوئی ایسی طاقت موجود ہے جو اس سارے نظام کو چلا رہی ہے۔ مولانا اس ضمن میں کیا ارشاد فرمارہے ہیں:

"دستِ پنہاں و قلم بیں خط گذار　　　اسپ ور چولاں و ناپید اسوار
پس یقیں در عقل ہر دانندہ است　　　اینکہ باجنبیدہ جینانندہ است
گر تو آں را مے بنی در نظر　　　فہم کن، بہ اظہار اثر
تن بہ جاں جنبد نہ می بنی تو جاں　　　لیک از جنبیدن تن جاں بداں"

قلم لکھ رہا ہے، لیکن ہاتھ چھپا ہوا ہے۔ سوار کا پتہ نہیں لیکن گھوڑا دوڑ رہا ہے، ہر سمجھ دار یہ یقین رکھتا ہے کہ، جو چیز حرکت کرتی ہے اس کا کوئی حرکت دینے والا ضرور ہوتا ہے۔ اگر تم اس کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے، تو اس کے اثر کو دیکھ کر سمجھو، بدن جو حرکت کرتا ہے جان کی وجہ سے کرتا ہے، تُم جان کو نہیں جان سکتے تو بدن کی حرکت سے جان کو جانو۔

صفاتِ باری تعالیٰ:

اللہ تعالیٰ کی ذات باری اُن تمام ضرورتوں سے پاک ہے جو کہ انسانی جسم کو اپنا ظاہر برقرار رکھنے کے لیے چاہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات انسانی سوچ و سمجھ میں سمانے والی نہیں، وہ سب جگہ ہے اور اُس کی کوئی جگہ نہیں، مکان ایسی جگہ جہاں لوگ رہتے ہیں، اُس کی ہستی غیر حسّی ہے کچھ لوگ طول و عرض اور عمق رکھنے والے ٹھوس جسم کی موجودگی سے اس خلائے محض اور بے بود فضا کو ہم موجود سمجھنے لگتے ہیں، یہ در حقیقت فضا میں نہیں ہمارے وہم کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ مولانا جالال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس نے ان نزاعوں کا یہ فیصلہ کیا کہ یہ بحث سرے سے فضول ہے، خدا کی نسبت صرف اس قدر معلوم ہو سکتا ہے، کہ ہے، باقی یہ کہ کیسا ہے، کہاں ہے، اس کے کیا اوصاف ہیں؟ ادراک انسانی سے بالکل باہر ہے، مولانا جالال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روم مثنوی میں فرماتے ہیں:

خود بناشد آفتابے را دلیل — جز کہ نور آفتاب مستطیل
سایہ کہ بود؟ تا دلیل او بود — این بستش کہ دلیل او بود
چوں قدم آمد حدث گردو عبث — پس کجا داند قدیمی را حدث
ایں جاللت در دلالت صادق است — جملہ ادراکات پس او سابق است

آفتاب کی روشنی کے سوا آفتاب کے وجود کی اور کوئی دلیل نہیں ہو سکتی، سایہ کی کیا ہستی ہے کہ آفتاب کی دلیل بن سکے ،اسکے لیے یہی بہت ہے کہ آفتاب کا محکوم ہے۔ جب قدم آیا تو حدوث بے کار ہو جاتا ہے، پھر قدیم کو حادث کیونکر جان سکتا ہے، یہ عظمت و شان ایک سچی دلیل ہے، تمام ادراکات پیچھے اور وہ آگے ہے۔

نبوت کا بیان:

مولانا جالال الدین رومی حَمۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے مثنوی میں نبوت کے تمام اجزا پر لکھا ہے جن میں سے، نبوت کی حقیقت، وحی کی حقیقت، مشاہدہ ملائکہ ، معجزہ۔ لیکن یہاں وقت کی قلت کو دیکھتے ہوئے پہلے جز کو بیان کر رہا ہوں، مولانا کے بقول۔ نبوت کی حقیقت: روح کے بیان میں آگے آئے گا کہ روح کا سلسلہ ترقی اس حد تک پہنچا ہے کہ روحِ انسانی اور اس اعلیٰ روح می اس قدر فرق پیدا ہو جاتا ہے، جس قدر روح حیوانی اور انسانی میں لیکن اس درجہ کے مراتب بھی متفادت ہیں۔ ادنیٰ طبقہ کو ولایت اور انتہائی طبقہ کو نبوت کہتے ہیں۔

"باز غیر از عقل و جانِ آدمی — ہست جانے در نبی و در ولی
روح وحی از عقل پنہاں تر بود — زانکہ او غیب ست واوزاں سر بود"

عام آدمیوں کی عقل اور روح کے علاوہ انبیاء اور اولیا میں ایک اور روح ہوتی ہے۔ وحی کی روح عقل سے بھی زیادہ مخفی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ روح عالم حیب کی چھیز ہے اور یہ عالم دوسرے سرے کا عالم ہے۔

روح کا بیان:

روح کے متعلق مباحث دورِ قدیم سے لے کر آج تک موجود ہیں مولانا کے دور میں تو اور زیادہ عروج پر تھے۔ یورپ کے حکما کے نزدیک جسم کی ترکیب کے سوا انسان میں اور کوئی چیز نہیں، اسی سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں، جن کو لوگ روح کے خواص اور افعال سے تعبیر کرتے ہیں۔

متکلمین اور طبیعین میں یہ فرق ہے کہ طبیعین کے نزدی انسان کو یہیں تک خاتمہ ہے، لیکن متکلمین کے نزدیک خدا قیامت میں اسی جسم کو دوبارہ پیدا کرے گا، اور اس میں نئے سرے سے روح پھونکے گا۔ مولانا بھی اسی نظریہ کے قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں مثنوی معنوی میں فرماتے ہیں:

جاں چہ باشد باخبر از خیر و شر　　شاد از احسان و گریاں از ضرر

چوں سر و ماہیت جاں مخبر ست　　ہر کہ او آگاہ تر باجاں ترست

روح را تاثیر آگاہی بود　　ہر کرا ایں بیش اللھی بود

جاں بناشد جز خبر دا آزموں　　ہر کرا افزوں خبر جانش فزوں

جان و روح کس چیز کا نام ہے، اس چیز کا جو خیر و شر کو جانتی ہے، اور جو فائدہ سے خوش اور نقصان سے رنجیدہ ہوتی ہے، جب جان کی ماہیت ادراک ٹھہری، تو جس کو زیادہ ادراک ہے، اس میں زیادہ جان ہے، روح کی تاثیر ادراک ہے، اس لیے جس میں یہ زیادہ ہو وہ کدائی آدمی ہے، روح ادراک کے سوا اور کوئی چیز نہیں، اسلئے جسمیں ادراک زیادہ ہے اس میں روح بھی زیادہ ہے۔

تصوف:

علم باطن حوس سے بالکل جدا گانہ چیز ہے تو ان کی اس شہادت پر کیوں نہ اعتبار کیا جائے سینکڑوں ایسے علما گزرے ہیں جن کو علم باطن سے قطعاً انکار تھا، لیکن جب وہ اس کوچہ میں آئے اور خود ان پر وہ حالت طاری ہوئی تو وہ سب سے زیادہ اس کے معترف بن گئے۔ چونکہ یہ مسلہ تصوف کے تمام علمی مسائل کی بنیاد ہے۔ اس لئے مولانا نے اس کو بار بار بیان کیا ہے۔

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک　　نقشہا بینی بروں از آب و خاک

پنج حسّے ہست جز ایں پنج حس　　آن چو زرِ سرخ و ایں حسہا چو مس

تجاذبِ اجسام:

کائنات کے تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی طرف کشش سے کھینچ رہے ہیں اور اسی باہمی کشش پر نظامِ کائنات قائم ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جسے سائنس نے سینکڑوں سال بعد میں پیش کیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

جملہ اجزا جہاں زاں محکم پیش　　جفت جفت و عاشقاں جفتِ خویش

آسماں گوید، زمیں را مر حبا　　باتوام چوں آہن و آہن ربا

دنیا کے تما اجزا، جوڑا جوڑا ہیں، اور ہر ایک اپنے جوڑے کا عاشق۔ آسمان، زمین کو خوش آمدید کہتا ہے، کہ میری تیری مثال لوہے اور مقناطیس کی سی ہے۔

مسئلہ ارتقا:

دنیا جمادات، نبادات، حیوانات اور انسان پر منقسم ہے، اب بحث یہ ہے کہ کیا یہ تمام اقسام ایک سے وجود میں آئی ہیں یا ابتدائے کائنات سے ہی یہ اقسام الگ الگ ہیں؟ یعنی پہلے جمادات تھے جو بعد میں ترقی کر کے نبات بن گئے اور پھر اپنی تیسری منزل یعنی حیوانات بنے اور آخر پر انسان کا روپ اختیار کیا جو کہ نبادات سے انسان بننے کا عظیم ترین مرحلہ ہے۔ جسے بعد میں ڈارون نے بیان کیا۔

آمدہ اوّل بہ اقلیم جماد　　وز جمادی در نباتی او فتاد
سالہا اندر نباتی عمر کرد　　وز نباتی یاد ناورد از نبرد
وز نباتی چوں بہ حیوانی فتاد　　نامدش حال نباتی ہیچ یاد

انسان شروع میں جماد تھا، جماد سے نبات بنا، سالوں بنات رہا، لیکن نباتی زندگی اسے یاد نہیں ہے، نبات سے جب حیوان بنا، نباتی حالت اُس کو یاد نہیں ہے،

بازاز حیواں سوِ انسانیش　　میکشد آں خالقے کہ دانیش
ہمچنیں اقلیم تا اقلیم رفت　　تاشد اکنوں عاقل قادانا وزفت

پھر حیوان سے انسان کی جانب، اُسکو وہ خدا لے جاتا ہے، جو اُسکو جانتا ہے۔ اسیطرح وہ ایک عالم سے دوسرے عالم کیطرف چلتا رہا، یہاں تک وہ عاقل و دانا اور فربہ بن گیا۔

جبر قدر:

انسان کو اندر دو طاقتیں ہر وقت بر سر پیکار رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک ارادی ہے جبکہ دوسری اجتنابی ہے، انسان اپنی حواس خمسہ سے جب کچھ محسوس کرتا ہے تو اُس میں ارادے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اگر یہ ارادہ کسی بُرے عمل کی طرف مائل کرے تو اجتنابی طاقت اُس کے سامنے حائل ہوتی اگر اُس شخص میں اجتنابی قوت زیادہ ہو گی تو وہ شخص اُس بُرے عمل کے اردے سے باز رہے اور اگر ارادی قوت زیادہ ہوئی تو وہ شخص ارادے سے آگے بڑھ کر عمل تک جا پہنچے گا۔

منکرِ حس نیست آں مرد قدر　　فعلِ حق حسّے بنا شد اے پسر
منکرِ فعل خداوند جلیل　　ہست در انکار مدلول دلیل

مولانا اختیاریہ اور جبریہ میں سے اختیاریہ کے حق میں دلائل فرماتے ہیں۔ بڑے بڑے علما و حکما کہتے ہیں کہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا جا چُکا ہے۔ اور کچھ بدلنے والا نہیں ہے مولانا فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں جو ہونا ہے وہ سب لکھ دیا جا چُکا ہے۔

لیکن لکھا یہ گیا ہے کہ اچھے کام کا اچھا نتیجہ ہے اور بُرے کام کا بُرا نتیجہ ہی ہو گا۔ ہر طرح کے نتائج لکھے جا چکے ہیں۔ اختیار کے ضمن میں ایک مثال دیتے ہیں کہ اگر کسی شخص پر چھت گر جائے تو کبھی چھت کو بُرا بھلا نہیں کہے گا لیکن اگر کوئی شخص اُسے پتھر مار دے تو وہ اُسے بہت بُرا بھلا کہے گا کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ شخص کو اختیار تھا جبکہ چھت کو کوئی اختیار نہیں تھا۔

قول بندہ ایش شاء اللہ کاں   بہر آں نبود کہ تنبل شود راں

بہر تحریض ست بر اخلاص وجد   کاندراں خدمت فزوں شو مستعد

مثنوی مولانا روم کو کوزے میں بند کرنا محال ہی نہیں ناممکن سی بات ہے اگر نہیں بھی تو میرے لئے تو ناممکن ہی ہے۔ مثنوی کے صرف ترجمے کو ہی دیکھا جائے تو جانے کتنے دفتر لکھنے پڑیں، شرح لکھنا تو کُجا رہا، مولانا روم کی سوانح کو قدر بہتر انداز میں لکھنے سعی کی ہے اور مثنوی کے بنیادی اجزا کو پیش کرنے کی بھی پوری کوشش کی ہے، مثنوی معنوی میں اُن مسائل کے بیان ہیں جن کو عام طریقوں سے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ لیکن مولانا نے حکایات کی مدد سے مشکل سے مشکل مسلہ کو بھی آسانی سے بیان کیا ہے، تصوف ہو یا الہیات کا بیان وحی کے نزول کی بات یا روح کی حقیقت جاننے کی مولانا نے تمام تر موضوعات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ تجذبِ کائنات کی حقیقت کو اُس وقت بیان کیا جب سائنس کا وہم و گمان بھی اس طرف نہیں تھا، اجسام کی آپس کی کشش اور ارتقا کا نظریہ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ اُس کے علاوہ وقت کمی کی وجہ سے ابھی تشنگی باقی ہے جو پھر کبھی موقعہ ملنے پر پوری ہو گی۔

حوالہ جات

سجاد حسین، قاضی (مترجم)، مثنوی معنوی (لاہور: الفصیل، 2016ء)، 2۔

شبلی نعمانی، مولانا، سوانح مولانا روم (لاہور: ایم ثنااللہ خان، 1956ء)، 9۔

محمد عبد السلام خاں، مولانا، افکارِ رومی (لاہور: عبد اللہ اکیڈمی، 2017ء)، 25۔

سجاد حسین، قاضی (مترجم)، مثنوی معنوی، 3۔

ایضاً

ایضاً، 10۔11۔

محمد عالم امیری، انوار العلوم (لاہور: خدیجہ پبلی کیشنز، 2016ء)، 67۔

سجاد حسین، قاضی (مترجم)، مثنوی معنوی، 12۔

References in Roman Script

1. Sajjad Hussain, Qazi (Translator), Masnavi Manawi (Lahore: Al-Fasil, 2016), 2.
2. Shibli Naumani, Maulana, Biography of Maulana Rome (Lahore: M. Sanaullah Khan, 1956), 9.
3. Muhammad Abdul Salam Khan, Maulana, Afkar-i Rumi (Lahore: Abdullah Academy, 2017), 25.
4. Sajjad Hussain, Qazi (Translator), Masnavi Manawi, 3.
5. Ibid
6. Ibid, 10.11.
7. Muhammad Alam Amiri, Anwar Uloom (Lahore: Khadija Publications, 2016), 67.
8. Sajjad Hussain, Qazi (Translator), Masnavi Manawi, 12.